مولانا محمد طاسین

# سیرت وکردار کی چند جھلکیاں

شرف مصاہرت سے مشرف ہونے کے بعد تقریباً بائیس سال سایہ شفقت اور ظل عاطفت میں گزرے' اس عرصہ میں مجھے اپنے نسبتی باپ اور مشفق ومہربان خسر، حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری قدس اللہ سرہ العزیز کی شخصیت اور سیرت کا جلوت میں بھی اور خلوت میں بھی، اندرون خانہ بھی اور بیرون خانہ بھی، بہت قریب سے مشاہدہ کرنے اور خصوصی توجہ کے ساتھ دیکھنے، سننے اور سمجھنے کا اچھا خاصا موقع ملا' چنانچہ اس طویل مدت میں جمال العلم والعلماء حضرت شیخ مولانا بنوری نور اللہ مرقدہ کے جو اوصاف وکمالات، شمائل اور فضائل، محاسن ومکارم، عادات وخصائل، عواطف ومشاعر اور خصائص ومزایا، میرے مشاہدہ اور علم وادراک میں آئے' ناممکن ہے کہ میں ان کا عشر عشیر بھی ضبطِ تحریر میں لاسکوں' چند جزئیات پر تفصیلی روشنی ڈالنے سے پہلے اجمالی طور پر یہی کہہ سکتا ہوں کہ حضرت مولانا بنوری' اعلی اللہ مقامہ' ان نادرۂ روزگار اور اعجوبۂ زماں ہستیوں میں سے ایک تھے جو اتفاق سے کبھی کبھی صفحۂ دھر پر جلوہ گر ہوتیں اور اپنی آب وتاب اور چمک دمک سے دنیا کو حیران وششدر کر کے رکھ دیتی ہیں اور جو اپنی غیر معمولی عظمت ورفعت کی بنا پر آیة من آیات اللہ کا مصداق ہوتی ہیں۔

حضرت مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ ان عظیم تاریخی شخصیتوں میں سے ایک تھے جو قوموں کی تاریخ میں اہم رول ادا کرتی اور اپنے شاندار تاریخی کارناموں کی وجہ سے تاریخ میں بلند مقام پاتی ہیں' جنہیں قومیں اپنے لئے سرمایہ عز وافتخار سمجھتی اور ان کے تعلق پر فخر وناز کرتی ہیں اور جن کے کام اور نام ہمیشہ تاریخ میں روشن وتابندہ رہتے اور قومیں ان سے ہدایت وروشنی حاصل کرتی اور ان کی یاد کو ہمیشہ تازہ رکھتی ہیں۔

حضرت بنوری تغمدہ اللہ بغفرانہ ان جلیل القدر علماء وفضلاء میں سے ایک تھے جو کبھی کبھی آسمان علم وفضل پر آفتاب ومہتاب بن کر چمکتے اور اپنی علمی شعاعوں وضیاء پاشیوں سے اذہان کی ایک دنیا کو روشن ومنور کر

کے رکھ دیتے ہیں، جن کے بحرِ علم سے بے شمار تشنگانِ علم کو اپنی پیاس بجھانے اور ٹھنڈک وسکون حاصل کرنے کا موقع ملتا اور جن کے گوہر ہائے علم سے انسانیت کے علمی خزانوں میں گراں قدر اضافہ ہوتا ہے‘ جن کی عظیم الشان علمی خدمات کا دنیا اعتراف کرتی ہے اور فیاضی کے ساتھ ان کو خراجِ تحسین پیش کرتی ہے اور جو اپنی عبقریت اور علمی عظمت کے ایسے نقوش اور نشان قائم کر جاتے ہیں جو کبھی مٹائے مٹ نہیں سکتے۔

حضرت مولانا بنوری نور اللہ مرقدہ ان اہل اللہ، خاصان خدا، اور مقربین بارگاہ رب العزت میں سے ایک تھے جو شعائر اللہ کی طرح ہوتے ہیں‘ جنہیں دیکھ کر خدا یاد آتا۔ اور ایمان تازہ ہوتا ہے‘ جن کے فیضانِ صحبت سے بگڑے نفوس کی اصلاح ہوتی ہے اور مضطرب دلوں کو سکون واطمینان ملتا ہے‘ جن کی توجہ سے ایمانی عقائد میں حرارت پیدا ہوتی‘ اور جذباتِ عمل میں جوش وہیجان بپا ہوتا ہے۔

حضرت مولانا بنوری برد اللہ مضجعہ ان عاشقانِ دین اور والہانِ حق میں سے ایک تھے جو ناموسِ دین پر مر مٹنے اور غیرتِ حق پر قربان ہو جانے میں مسرت محسوس کرتے ہیں‘ جنہیں ہر وہ حرکت اور ہر وہ بات تڑپا دیتی ہے جسے وہ دین کے لئے مضر اور حق کے لئے نقصان دہ سمجھتے ہیں اور جو دین کی حفاظت اور حق کی حمایت میں سر بکف اور کفن بدوش رہتے اور اپنی جان پر کھیل جاتے ہیں۔

حضرت مولانا بنوری رحمۃ اللہ ان مردانِ خدا میں سے ایک تھے جو اللہ کے سوا اور کسی سے نہیں ڈرتے ،اور کلمہ حق کہنے سے انہیں دنیا کی کوئی جابر سے جابر طاقت بھی باز نہیں رکھ سکتی‘ جو اظہار حق کے معاملہ میں نہ کسی لومۃ لائم کی پرواکرتے اور نہ کسی مخالفت کو خاطر میں لاتے ہیں اور نہ کوئی ذاتی مصلحت ان کے آڑے آتی اور نہ کوئی لالچ اس راہ سے ہٹا سکتی ہے اور جو باطل کا ڈٹ کر مردانہ وار مقابلہ کرتے اور کبھی اس کے سامنے نہیں جھکتے‘ باطل کے مقابلہ میں ان کی گردن کٹ تو سکتی ہے‘ لیکن جھک نہیں سکتی۔

غرض یہ کہ حضرت مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت اپنے ظاہری وباطنی اوصاف وکمالات اور اپنے معنوی وصوری محاسن وفضائل کے لحاظ سے واقعی اور صحیح معنوں میں ایک عظیم شخصیت تھی‘ جس کی مثالیں تاریخ میں بہت کم اور خال خال ہی ملتی ہیں، بلاشک اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص عنایت کے تحت آپ کی ذات گرامی کے اندر بہت سے وہ فضائل ومحاسن یکجا جمع فرمادیئے تھے‘ جو شاذ ونادر کسی شخصیت میں جمع ہوتے ہیں۔

اگر حضرت مولانا بنوری قدس سرہ العزیز کی شخصیت کو ایک حسین وجمیل گلدستے سے تشبیہ دی جاسکتی ہو تو پھر اس میں اعلیٰ ایمان وایقان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی معرفت، محبت، خشیت اور اطاعت کے پھول بھی تھے‘ اور شدید محبت وعشق کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے انتہائی احترام اور اتباع سنت کے پھول بھی تھے‘ اونچے تقویٰ واخلاص کے ساتھ حسنِ عبادت، حسنِ خلق اور حسنِ عمل کے پھول بھی تھے اور اسلامی تعلیمات کے مطابق حسنِ

معاشرت، حسنِ معیشت اور حسنِ سیاست کے پھول بھی' پاکیزہ ذوق کے ساتھ حسنِ نظافت، حسنِ نفاست، حسنِ لطافت کے پھول بھی تھے' اور فطری انداز میں خندہ جبینی، شگفتہ روئی اور خوش مزاجی کے پھول بھی' دینی جذبہ کے تحت دیانت، امانت، شجاعت اور سخاوت کے پھول بھی تھے' اور اظہارِ حق کی خاطر حق گوئی، صداقت واستقلال واستقامت کے پھول بھی' اعلیٰ درجہ کی عفت وپاکبازی اور نجابت وشرافت کے پھول بھی تھے' اور غیر معمولی شرم وحیاء، غیرت اور خودداری کے پھول بھی۔

اعلیٰ وقار، سنجیدگی، متانت اور وجاہت کے پھول بھی تھے' اور مسرت بخش ظرافت، حسنِ مزاح اور خوش طبعی کے پھول بھی، اولوالعزمی، عالی ہمتی اور جفاکشی کے پھول بھی تھے' اور استغناء قناعت اور سیر چشمی کے پھول بھی' قرابت داروں سے صلہ رحمی، مسکینوں سے ہمدردی کے پھول بھی تھے' اور دوستوں سے دلنوازی اور محسنوں سے احسان مندی اور شکرگزاری کے پھول بھی' چھوٹوں پر شفقت ومہربانی، اور بڑوں کی توقیر وتعظیم کے پھول بھی تھے' اور خداتعالیٰ کی رضا کے لئے خلقِ خدا کی خیرخواہی اور نفع رسانی کے پھول بھی تھے' صوفیانِ باصفا اہل اللہ حضرات سے قلبی محبت، اور اصحابِ کشف وکرامت سے گہری عقیدت کے پھول بھی تھے' اور رقت قلب، سوز وگداز، آہ وبکاء، اور وجد وحال کے پھول بھی تھے' وسیع اور راسخ علم کے ساتھ علم کی اشاعت اور تعلیم وتدریس کے پھول بھی تھے' اور عقل ودانش کے ساتھ غیر معمولی ذہانت وذکاوت اور اعلیٰ فہم وفراست کے پھول بھی' بہترین حافظے کے ساتھ وسیع مطالعے، غور وفکر، استحضاء اور تیقظ کے پھول بھی تھے اور مؤثر خطابت، دلکش تحریر، مہارتِ تصنیف وتالیف اور حکیمانہ دعوت وارشاد کے پھول بھی تھے۔

پھر جس طرح قسم قسم اور رنگارنگ پھولوں سے سجے ہوئے گلدستے میں بعضے پھول حسن اور نکھار میں بڑھے ہوئے اور ان کے اندر دوسرے پھولوں کی بہ نسبت رنگینی، رعنائی اور جاذبیت زیادہ ہوتی ہے، اسی طرح حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت میں جو اوصاف ومحاسن اور جو فضائل وکمالات مجتمع تھے' ان میں سب سے نکھرا ہوا، اجاگر اور نمایاں وصف، علم کا وصف تھا' لہٰذا گو اہل نہیں' لیکن جی چاہتا ہے کہ پہلے اس کی کچھ جھلکیاں پیش کروں۔

حقیقت یہ ہے کہ علم کا مولانا بنوری قدس اللہ سرہ العزیز سے تعلق غیریت کا نہیں' عینیت کا تھا۔ مولانا عالم نہ تھے' بلکہ سراپا علم تھے۔ علم آپ کی ذات میں ایسا رچا بسا ہوا تھا' جیسے پھول کے اندر رنگ وبو، اور یا ہیرے کے اندر چمک، علم آپ کی ہر ہر ادا اور ہر ہر نقل وحرکت سے جھلکتا تھا' آپ علم کا ایک بلند وبالا پہاڑ اور ایک بحر ناپیدا کنار تھے، ایک سلیم العقل حقیقت شناس اجنبی جب آپ کو دیکھتا تو اس کا دل بول اٹھتا کہ یہ ضرور عالمِ دین ہیں۔ مجھے وہ جملہ یاد ہے جو ایک مرتبہ حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب بانی ندوۃ المصنفین دھلی نے فرمایا

تھا، جب وہ کافی عرصہ پہلے کچھ دنوں کے لئے کراچی تشریف لائے تھے، ایک گفتگو کے دوران مولانا بنوری نور اللہ مرقدہ کے متعلق فرمایا کہ: ان کا عالم ہونا ان کی شکل وصورت اور وضع قطع سے خود بخود ظاہر ہوتا ہے، بخلاف ہم لوگوں کے کہ جب تک کوئی ہمارا تعارف نہ کرائے دوسرے کو، ہمارے عالم ہونے کا پتہ نہیں چلتا، میں نے حضرت مفتی صاحب موصوف کی یہ بات اس لئے نقل کی ہے کہ آپ حضرت مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے اقران ومعاصرین میں ممتاز درجہ رکھتے ہیں، لہذا آپ کی یہ بات مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے کمالِ علمی پر وزنی شہادت کی حیثیت رکھتی ہے۔ والفضل ماشهدت به الاقران۔

حضرت مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ، علم کا ایک گرانمایہ خزینہ اور بیش بہا گنجینہ، ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا دریا، اور ایک پر بہار گلستان تھے، اور بلا شبہ لفظ علامہ کے صحیح اور کامل معنوں میں مصداق۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے علم کا ایک بڑا حصہ ایسا تھا جس کی ظاہری اور عادی اسباب کی روشنی میں توجیہہ نہیں ہوسکتی، لہذا اسے خارقِ عادت اور وہبی ہی کہا جاسکتا ہے، مثلاً عربی ادب کو لیجئے، مولانا اس کے بلند پایہ عالم اور ایک عظیم ادیب تھے، لیکن آپ نے عربی ادب کسی سے نہیں پڑھا تھا، جن اساتذہ کے پاس مولانا کی ابتدائی تعلیم ہوئی، وہ صرف ونحو، منطق ومعقول اور فقہ وکلام کے عالم تو تھے، لیکن عربی ادب میں عام طور پر ان کا یہ حال تھا کہ چند سطریں بھی نہ لکھ سکتے تھے، جب کہ مولانا بنوری کافیہ پڑھتے وقت اچھی عربی لکھتے تھے، آپ کے کافیہ پر کئی جگہ عربی حاشیے لکھے ہوئے موجود ہیں، جو آپ نے پڑھتے وقت لکھے، اور یہ چیز حضرت مولانا کے والد ماجد حضرت آغا جی قدس سرہ کے اندر بھی خارقِ عادت کے طور پر موجود تھی، انہوں نے بھی عربی ادب کسی سے نہیں پڑھا تھا، لیکن بہترین عربی لکھتے تھے، نہایت شستہ اور فصیح وبلیغ عربی میں ان کی بکثرت تحریریں اب بھی موجود ہیں، فرمایا کرتے تھے کہ: میں اس وقت، بے تکلف عربی لکھتا تھا، جب کہ صوبہ سرحد کے بڑے بڑے علماء دو سطریں بھی صحیح نہ لکھ سکتے تھے۔

حضرت مولانا بنوری کے اپنے بیان کے مطابق جب وہ اعلیٰ تعلیم کے لئے دارالعلوم دیوبند پہنچے تو چند روز بعد کسی ضرورت یا مناسبت سے اپنے محبوب استاذ اور مشفق شیخ حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک مفصل خط عربی میں لکھا، حضرت شاہ صاحب نے خط پڑھا تو عربی تحریر سے بہت متعجب ہوئے، چنانچہ جب حاضرِ خدمت ہوا تو سب سے پہلے یہ پوچھا کہ: عربی ادب کہاں پڑھا ہے؟ میں نے جواب دیا: کہیں نہیں، اور اب آپ سے پڑھنا چاہتا ہوں، اس پر حضرت شاہ صاحب نے فرمایا: آپ ادب میں غنی ہیں، آپ کو اب کسی سے مزید ادب پڑھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

بعد میں مولانا جب فیض الباری اور نصب الرایہ چھپوانے کے لئے مجلسِ علمی کی طرف سے مصر تشریف

لے گئے تو وہاں قیام کے دوران آپ نے جدید مصری اسلوب میں متعدد مضامین لکھے جو چوٹی کے علمی وادبی رسالوں میں شائع ہوئے اور مصری علماء اور ادباء نے دادِ تحسین دی اور پسندیدگی کا اظہار فرمایا، بعد میں اسلامی دنیا کے مشہور مؤقر ادارے ''المجمع العلمی دمشق'' کی طرف سے آپ کو پاکستان کے نمائندے کے طور پر ممبر منتخب کیا جانا گویا آپ کے اس کمال کا اعتراف تھا جو آپ کو دوسرے علوم کے ساتھ عربی ادب میں حاصل تھا' کیونکہ ادارہ مذکورہ کا ممبر صرف اس عالم کو مقرر کیا جاتا ہے جو عربی ادب میں ممتاز اور بلند مرتبہ رکھتا ہو۔

حضرت مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ کو جس طرح عربی تحریر وانشاء پر غیر معمولی قدرت حاصل تھی' اسی طرح آپ کو عربی تکلم پر بڑی قدرت نصیب تھی' آپ بے تکلف اور نہایت روانی کے ساتھ عربوں کی طرح عربی بولتے تھے، اور بغیر کسی تیاری کے جس موضوع پر چاہتے برجستہ تقریر کرتے اور کرسکتے تھے، میں نے پہلے کراچی میں عرب سفارت خانوں کی متعدد تقریبات میں دیکھا کہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ جب عرب سفیروں سے بات چیت کرتے اور ان کے ہر سوال کا برجستہ جواب ان کے لب ولہجہ میں دیتے تو وہ خوش بھی ہوتے اور اس پر حیران بھی' کہ ایک عجمی نہ صرف یہ کہ عربوں کی طرح' بلکہ عالمانہ انداز میں ان سے بہتر عربی بولتا ہے۔ مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ شامی سفیر جناب جواد المرابط نے جو بڑا عالم وفاضل شخص تھا' فرطِ مسرت میں مولانا سے کہہ دیا کہ: بخدا! آپ عجمی نہیں' عرب ہیں۔

پھر حرمین شریفین کے تین سفروں میں دیکھا کہ مولانا علماء حرمین کی ہر مجلس میں، ہر مسئلہ پر فراٹے سے عربی بولتے اور کہیں ذرہ برابر لکنت اور رکاوٹ پیدا نہ ہوتی، اور ایک موقع پر تو مجھے بہت ہی تعجب ہوا، جب ہم طائف گئے' اور وہاں کے بخاری علماء نے مولانا سے درخواست کی کہ روحانیت اور تصوف کے موضوع پر کچھ بیان فرمائیں، مولانا فوراً کھڑے ہوئے اور عربی میں ایسی تقریر فرمائی کہ میں حیران رہ گیا، گویا کہ اس کے لئے ہفتوں سے تیاری کی گئی تھی، بعد میں میں نے عرض کیا کہ: حضرت آپ کی تقریر ہر لحاظ سے نہایت عمدہ تھی اور آپ نے اس مشکل موضوع پر بہت اچھا بیان فرمایا، جواب دیا کہ بھئی اللہ کی توفیق سے ایسا ہوا۔

غرض یہ کہ حضرت مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ کو عربی زبان وادب میں جو کمال اور اعلیٰ مقام حاصل تھا' وہ کسبی سے زیادہ وہبی تھا، یعنی واہب العطایا کے خاص لطف وکرم کا نتیجہ تھا' اور چونکہ عادی اسباب کی رو سے وہ سمجھ میں نہیں آتا' لہٰذا خارقِ عادت کا مصداق تھا۔

دراصل علم کے لئے دو چیزیں ضروری ہوتی ہیں: ایک فہم کی عمدہ صلاحیت اور دوسری اچھی قوت حافظہ۔ سو اللہ تعالیٰ نے یہ دونوں چیزیں مولانا کو پیدائشی طور پر اعلیٰ درجہ کی عطا فرمائی تھیں، خود حضرت مولانا بنوری قدس اللہ سرہٗ کی زبان مبارک سے میں نے متعدد مرتبہ سنا کہ: ان کی عمر جب چار پانچ سال کی تھی کہ گھر میں کسی سے

ایک برتن گرا اور اس میں جو چیز کھانے کی تھی‘ ضائع ہوگئی، اس پر والدہ ماجدہ نے فرمایا: اسی میں خیر ہوگی جو ہوا سو اچھا ہوا۔

اس کے جواب میں والد ماجد نے فرمایا کہ: یہ معتزلہ کا مذہب ہے‘ اہلسنت والجماعت کا نہیں اور اس کی کچھ تفصیل بیان فرمائی، مولانا فرماتے تھے کہ: مجھے اس گفتگو کا ایک ایک حرف یاد ہے‘ حالانکہ ساٹھ سال سے زیادہ گزر گئے اور یہ کہ اس گفتگو کا جو مطلب اس وقت سمجھا تھا‘ آگے چل کر جب علم الکلام میں یہ بحث خود پڑھی تو بچپن کے سمجھے ہوئے مطلب میں ذرہ برابر اضافہ نہ ہوا۔

حضرت مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے جو اعلیٰ درجہ کی بے پناہ علمی صلاحیتیں عطا فرمائی تھیں‘ اگر زندگی میں حالات موافق وساز گار ہوتے تو وہ پوری طرح بروئے کار آتیں تو بقول مولانا کے والد بزرگوار حضرت آغا جی مولانا محمد زکریا بنوری رحمۃ اللہ علیہ‘ مولانا آسمان پر پہنچتے‘ لیکن افسوس کہ زندگی میں قدم قدم پر انہیں مسلسل مشکلات اور پریشانیوں اور خلافِ طبیعت حالات کا سامنا رہا اور ان کی خداداد فطری صلاحتیں مکمل طور پر بروئے کار نہ آسکیں، اور چونکہ اللہ کی مشیت کے بغیر کچھ نہیں ہوتا اور جو ہوتا ہے اس میں ضرور کوئی حکمت ومصلحت ہوتی ہے، لہذا اس میں بھی ضرور کوئی حکمت ومصلحت ہوگی۔

حضرت مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے علم میں وسعت کے ساتھ بڑی جامعیت بھی تھی‘ وہ بیک وقت منقولات کا علم بھی رکھتے تھے اور معقولات کا علم بھی، وہ ظاہری علوم کے ساتھ باطنی، قدیم علوم کے ساتھ جدید، اور دینی حقائق ومعارف کے وسیع علم وعرفان کے ساتھ دنیوی امور ومعاملات سے بھی حیرت انگیز حد تک آگاہی وواقفیت رکھتے تھے، لیکن علم کے جس شعبے میں انہیں معراجِ کمال حاصل ہوا‘ اور علم کے جس میدان کے وہ شہسوار بنے‘ وہ شعبہ اور میدان قرآن وحدیث کے علم کا تھا، اور دراصل اس میں بڑا دخل اس شدید محبت کا تھا جو مولانا کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے تھی‘ ظاہر ہے کہ جس سے محبت ہو‘ اس کے کلام سے محبت ہونا ایک فطری بات ہے، مولانا پورا یقین رکھتے تھے کہ جس ہدایت پر انسان کی اخروی اور دنیوی سعادت اور فلاح وکامیابی کا دارومدار ہے‘ اس کا منبع اور سرچشمہ قرآن وحدیث اور کتاب وسنت ہے، اور دوسرے علوم کی جو اہمیت اور قدر ومنزلت ہے وہ قرآن وحدیث کے تعلق کی بنا پر ہے، جتنا جس علم کا قرآن وحدیث سے تعلق ہے‘ اتنا ہی وہ اہم اور قابلِ قدر ہے، لہذا آپ کی اصل اور بنیادی توجہ قرآن وحدیث کے علم کی طرف ہوگئی اور تقریباً نصف صدی آپ نے اس مقدس ومبارک علم کی تحصیل، نشر واشاعت اور تعلیم وتدریس میں صرف کی اور آخر دم تک اس میں مشغول رہے۔

مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے اندر جو علم کی شدید حرص اور تڑپ تھی‘ اس نے انہیں ہمیشہ وہ ذرائع علم اختیار کرنے پر آمادہ کیا‘ جن سے ان کے علم میں ازدیاد اور اضافہ ہوسکتا تھا، چونکہ مطالعۂ کتب اس کا بہترین

ذریعہ تھا‘لہٰذا زندگی بھر وہ ان کا محبوب مشغلہ رہا۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو کتابی دنیا کا نہایت وسیع علم تھا، وہ جانتے تھے کہ کس علم وفن پر کیا کتابیں اور کس کس نے لکھی اور تصنیف وتالیف کی ہیں، دیوبند آنے سے پہلے جب وہ پشاور میں طالب علمی کے درمیانی دور سے گزر رہے تھے‘انہوں نے اپنے والد ماجد کے کتب خانہ میں ”کشف الظنون“ اور اس کے ذیل کا مطالعہ کیا جو اسلامی علوم وفنون پر لکھی ہوئی کتابوں کی معرفت کا ایک آئینہ اور بڑا ذریعہ ہے، اسی طرح پشاور میں آپ نے اپنے مشفق ماموں حضرت مولانا فضل صمدانی رحمۃ اللہ علیہ کا کتب خانہ بھی تفصیل کے ساتھ اپنی آنکھوں سے دیکھا‘ جس میں ہر اسلامی علم وفن پر مطبوعہ اور قلمی کتابوں کا کافی اچھا ذخیرہ تھا اور پشاور میں اپنی نوعیت کا ایک نہایت قیمتی اور ممتاز کتب خانہ تھا‘ بلکہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی فہرست بھی مرتب فرمائی‘ جس میں ہر کتاب کو کچھ نہ کچھ پڑھنے کا موقعہ ملتا ہے‘لہٰذا اس سے بھی کتابی دنیا کے متعلق آپ کی معلومات میں اضافہ ہوا‘ پھر جب آپ دار العلوم دیوبند تشریف لے گئے تو جن فاضل اساتذۂ کرام سے آپ کو پڑھنے اور استفادہ کرنے کا موقع ملا‘ ان میں ایک وہ بھی تھے جنہیں اسلامی علوم وفنون کا ایک چلتا پھرتا کتب خانہ کہا جاتا تھا اور جو دورانِ تدریس اپنے طلباء کو زیر بحث موضوع ومسئلہ کی معلومات کے ساتھ ساتھ اس موضوع ومسئلہ پر لکھی ہوئی کتابوں کی معلومات سے بھی مالا مال کردیتے تھے‘یعنی علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ‘ لہٰذا اس سے بھی مولانا کی کتابی دنیا کی معلومات میں مزید اضافہ ہوا۔

اس کے بعد مولانا نے ہندوستان، ترکی، مصر، شام اور حجاز کے بڑے بڑے کتب خانے باقاعدہ سفر کرکے دیکھے‘ اور ان سے استفادہ کیا۔ دیکھنے کا مطلب یہ کہ آپ ہر کتب خانہ کی وہ کتابیں دیکھتے جو دوسرے کتب خانوں میں نہ دیکھی ہوتیں اور پھر اپنے ذوق کی کتابوں کی یادداشت مرتب فرماتے، جیسے عربی میں مذکرہ کہا جاتا ہے، ایسے کچھ مذکرے مولانا کے علمی سرمائے میں اب بھی محفوظ ہیں۔

کتابی دنیا کے متعلق مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی جو وسیع معلومات تھیں‘ وہ ایسی نہ تھیں جو ایک لائبریرین کی ہوتی ہیں‘ بلکہ ایسے محقق عالم کی معلومات تھیں جس نے ہر علم وفن کی بکثرت کتابوں کا غور اور ناقدانہ نظر سے مطالعہ کیا ہو‘ اور جو یہ جانتا ہو کہ کس علم وفن میں کس کتاب اور کس مصنف کا کیا درجہ ہے۔ مولانا کی رفتارِ مطالعہ اپنے محبوب شیخ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرح بہت تیز تھی، چار پانچ سو صفحہ کی کتاب کا ایک دن رات میں مطالعہ کرلینا ایک معمولی بات تھی‘ اور چونکہ ذہن رسا اور حافظہ نہایت قوی تھا، لہٰذا آپ جو مطالعہ فرماتے‘ صحیح مفہوم اور مطلب کے ساتھ محفوظ اور اس طرح یاد ہوجاتا کہ جب چاہتے بیان فرمادیتے۔

کتب خانہ مجلس علمی میں مختلف علوم وفنون پر مستند اور معیاری کتابوں کا جو اچھا خاصہ ذخیرہ ہے اس کا بڑا حصہ اس وقت مولانا کے مطالعہ میں آیا جب آپ ڈابھیل میں مجلس علمی سے متعلق اور ”عرف الشذی“ کی تخریج

وتشریح میں مصروف تھے جو آگے چل کر ''معارف السنن'' کے نام سے چھ جلدوں میں کراچی میں زیور طبع سے آراستہ ہوئی۔ مجلس علمی جب کراچی منتقل ہوئی تو یہاں بھی مولانا اس کے سرپرست اعلیٰ رہے اور تمام امور آپ کے مشورہ سے طے پائے، کتابوں کا جو ذخیرہ ڈابھیل سے آیا وہ مولانا کی پسند اور ضرورت سے خریدا گیا تھا، یہاں کراچی میں اس کے اندر مزید چار گنا اضافہ ہوا، لہٰذا ان اضافہ شدہ کتابوں میں سے بھی آپ نے اپنے مذاق اور مطلب کی بہت سی کتابوں کا مطالعہ فرمایا، چونکہ مجھے مذاق معلوم تھا لہٰذا جب کوئی اچھی کتاب آتی تو میں تعریف کے ساتھ اس کا ذکر کرتا تو منگوا کر مطالعہ فرماتے اور پھر اتفاق کی باتوں سے اتفاق اور اختلاف کی باتوں سے اختلاف ظاہر کرتے، اس طرح اس کتاب پر ناقدانہ تبصرہ ہو جاتا۔

مولانا بنوری کے مطالعہ کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ کہ آپ جس کتاب کا مطالعہ فرماتے، اس احتیاط سے فرماتے کہ کیا مجال کہ اس کا کوئی ورق یا جلد وغیرہ ذرا بھی خراب ہو جائے، مطالعے کے بعد ایسا محسوس ہوتا کہ گویا اسے کسی نے چھوا تک نہیں، یہ خوبی مولانا کی ان کتابوں میں بھی نظر آتی ہے جو طالب علمی میں پڑھتے وقت آپ کے استعمال میں رہیں، میں سمجھتا ہوں کہ کتابوں کے حسنِ استعمال میں مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ اپنی مثال آپ تھے۔

دوسری خصوصیت یہ کہ مطالعہ فرماتے وقت کتابت یا طباعت کی کوئی غلطی دیکھتے تو حاشیے پر اس کی تصحیح کر دیتے، اسی طرح جب کسی کتاب میں کوئی ایسی بات دیکھتے جو صریح طور پر غلط اور گمراہ کن ہوتی تو حاشیے پر مختصراً اس کی تغلیط لکھ دیتے، تاکہ پڑھنے والا متنبہ ہو جائے، نیز کبھی یہ بھی کرتے کہ اس کتاب میں کوئی خاص بات اور اہم بحث ہوتی تو شروع کے سادے صفحہ پر تحریر فرما دیتے کہ یہ بحث فلاں صفحہ پر ہے تاکہ قاری اس بحث سے فائدہ اٹھا سکے۔

مولانا بنوری نور اللہ مرقدہ کو چونکہ عربی ادب سے فطری اور طبعی لگاؤ تھا، لہٰذا آپ نے علاوہ درسی کتابوں اور ان کی شروح وحواشی کے دیگر بنیادی اور معیاری کتابوں کا مطالعہ فرمایا جو عربی ادب نثر ونظم سے تعلق رکھتی تھیں، اور آپ کو کہیں بھی میسر آسکیں، مثلاً جاحظ کی ''البیان والتبیین''، ''کتاب الحیوان'' اور ''کتاب البخلاء'' وغیرہ۔ مبرد کی ''الکامل''، ابن عبد ربہ کی ''عقد الفرید''، ابوعلی القالی کی ''الا مالی''۔ شریف المرتضیٰ کی ''الامالی''۔ ابن قتیبہ کی ''المعانی الکبیر''، ''الشعر والشعراء''، ''ادب الکاتب'' اور ''عیون الاخبار'' وغیرہ۔ شریف الرضی کی مرتب کردہ ''نہج البلاغہ''۔ الثعالبی کی ''فقہ اللغۃ'' و''سر العربیۃ''، ''سحر البلاغہ''، ''ثمار القلوب''، ''خاص الخاص''، ''لطائف المعارف''، ''المنتحل'' اور ''یتیمۃ الدھر'' وغیرہ۔ ابن درید کی ''کتاب الاشتقاق''

''المجتنی''، ''المقصورہ'' اور ''الجمهرة'' وغیرہ۔ ابن رشیق کی ''العمدة فی صناعة الشعر''۔ ابن السکیت کی ''اصلاح المنطق''، ''تهذیب الالفاظ'' اور ''الاضداد''۔ ابن المقفع کی ''الادب الکبیر'' اور ''الادب الصغیر''۔ العسکری کی ''کتاب الصناعتین'' عبدالقاہر جرجانی کی ''دلائل الاعجاز'' اور ''اسرار البلاغة''۔ الموصلی کی ''مثل السائر''۔ الابشہی کی ''المستطرف''۔ القلقشندی کی ''صبح الاعشیٰ''۔ ابوالفرج الاصبہانی کی ''الاغانی''۔ النویری کی ''نهاية الارب''۔ الزمخشری کی ''اطواق الذهب''، ''اساس البلاغة'' اور ''الفائق''۔ راغب الاصبہانی کی ''محاضرات الادباء'' اور ''المفردات'' وغیرہ۔ القزوینی کی ''الصاحبی فی فقه اللغة''۔ السیوطی کی ''المزهر''۔ صدیق حسن خان کی ''البلغة فی اصول اللغة''۔ الشدیاق کی ''الساق علی الساق''۔ ابوالبقاء کی ''الکلیات''۔ سیبویہ کی ''الکتاب'' الوزیر الیمانی کی ''الطراز''۔ المیدانی کی ''مجمع الامثال'' وغیرہ۔

شعری مجموعوں میں سے ''المفضلیات'' اور متقدمین ومتاخرین کے بیسیوں دواوین بھی مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے مطالعہ میں آئے ہیں، جدید ادباء اور شعراء کی کتابیں بھی مولانا نے مطالعہ فرمائی ہیں، جیسے رافعی، المنفلوطی حافظ ابراہیم، الشوقی، احمد امین، عباس محمود العقاد، طٰہٰ حسین وغیرہ۔ نیز ہندوستان کے ادباء اور شعراء کی کتابیں بھی مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھی ہیں۔

اور پھر جیسا کہ میں نے پیچھے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ سے عشق کی بناء پر مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ کو قرآن مجید اور حدیث نبوی ﷺ سے والہانہ تعلق تھا' لہٰذا آپ تہہ دل سے یہ چاہتے تھے کہ اس منبع علم وعرفان اور سرچشمۂ رشد وہدایت سے فائدہ اٹھانے اور اس سے فیض یاب ہونے کے لئے وہ سب کچھ پڑھ ڈالیں جس سے اس سلسلہ میں کچھ بھی مدد مل سکتی ہو، چنانچہ آپ نے ایسی سینکڑوں کتابیں مطالعہ فرمائیں' جو علوم قرآن وحدیث سے تعلق رکھتی اور جن سے قرآن وحدیث کے حقائق ومعارف کو سمجھنے میں مدد مل سکتی تھی' درسی کتابوں اور ان کے شروح وحواشی کے علاوہ آپ نے اس سلسلہ میں جو دوسری کتابیں مطالعہ فرمائیں' ان کی فہرست بہت طول طویل ہے' میں ان میں سے کچھ کے نام عرض کروں گا:

علوم القرآن سے تعلق رکھنے والی کتابوں میں سے آپ نے ''الاتقان'' للسیوطی. ''البرهان'' للزرکشی، ''التسهیل لعلوم التنزیل'' للکلبی، ''التیسیر فی علوم القرآن'' للدمیری، ''الفوائد المشوق الی علوم القرآن'' لابن القیم ''التبیان فی اقسام القرآن'' لابن القیم، اور ''الاکسیر فی علوم التفسیر'' للجزیری، ''الفوز الکبیر'' لشاہ ولی الله، ''القرآن والعلوم العصرية'' للطنطاوی ، اسی طرح ''اعجاز القرآن'' کے موضوع پر لکھی ہوئی کتابوں میں سے ''اعجاز

القرآن'' للباقلانی، '' اعجاز القرآن'' للرمانی، ''اعجاز القرآن''، للخطابی، ''اعجاز القرآن'' للجرجانی، ''اعجاز القرآن'' للرافعی. ''اعجاز القرآن'' لعبد الکریم الخطیب، ''تاریخ فکرۃ اعجاز القرآن'' لبھجۃ البیطار، ''التصویر الفنی فی القرآن'' لسید قطیب و''مشاھد القیامۃ لہ''.

جہاں تک قرآن مجید کی تفاسیر کا تعلق ہے میں سمجھتا ہوں شاید ہی کوئی مطبوعہ تفسیر ایسی ہو جس کا مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے کلاً یا جزءً مطالعہ نہ فرمایا ہو اور اس کی خصوصیات سے واقف نہ ہوں، مثلاً ''جامع البیان''، للطبری ''اعراب القرآن'' للزجاج، ''درۃ التنزیل وغرۃ التاویل'' للاسکافی، ''الدر المنثور'' للسیوطی، ''مدارک التنزیل'' للنسفی ''لباب التاویل'' للخازن، ''بحر المحیط'' لابن حیان، ''زاد المسیر'' لابن الجوزی، ''مفاتیح الغیب '' یعنی ''تفسیر کبیر'' للرازی، ''تفسیر الکشاف'' للزمخشری، ''احکام القرآن'' للجصاص، '' احکام القرآن'' لا بن العربی، ''الجامع لا حکام القرآن'' للقرطبی ''غرائب القرآن ورغائب الفرقان'' لنظام نیشاپوری، ''سراج المنیر'' للشربینی، ''ارشاد العقل السلیم'' لا بی السعود، ''تفسیر القرآن لا بن کثیر''، ''تبصرہ الرحمان'' للمھائمی، ''سواطع الالھام'' للفیضی، ''روح البیان'' لا سمٰعیل حقی، ''روح المعانی'' للآلوسی، ''بصائر ذوی التمیز فی لطائف الکتاب العزیز'' لمجد الدین الفیروزآبادی، ''تفسیر المنار''، ''تفسیر المراغی''، ''تفسیر القاسمی''، ''تفسیر الجواھر'' للطنطاوی، ''اضواء البیان'' للشنقیطی، ''فی ظلال القرآن''، ''تفسیر القرآن الحکیم'' لمحمود شلتوت۔ ان عربی تفاسیر کے علاوہ مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے فارسی اور اردو کی بھی متعدد تفاسیر کا مطالعہ فرمایا' جیسا کہ مولانا کی کتاب'' یتیمۃ البیان'' سے پتہ چلتا ہے۔

علوم حدیث سے تعلق رکھنے والی جو کتابیں مولانا کے مطالعہ میں آئیں' ان میں سے بعض یہ ہیں:

''مقدمہ علوم الحدیث المعروف بہ مقدمۃ ابن الصلاح''، ''التقیید والا یضاح'' للعراقی، ''فتح المغیث بشرح الفیۃ الحدیث'' للعراقی، ''فتح المغیث بشرح الفیۃ الحدیث'' للسخاوی، ''الکفایۃ فی علم الروایۃ'' للخطیب، ''معرفۃ علوم الحدیث'' للحاکم ، ''تدریب الراوی'' للسیوطی، ''نزھۃ النظر شرح نخبۃ الفکر '' لابن حجر العسقلانی، ''ظفر الا مانی فی شرح مختصر الجرجانی'' لعبد الحی، ''کوثر النبی مع مناظرۃ الجلی '' لفرھاروی. ''الباحث الحثیث '' لا بن کثیر. ''مفتاح السنۃ '' للخولی.'' توجیہ النظر الیٰ اصول علم الا

ثر" للجزائری. "شروط الائمة الخمسة" للحازمی. "مقدمة فتح الملهم" لعثمانی. "مقدمة اعلاء السنن" للتهانوی. "لغة الغریب فی مصطلح آثار الحبیب" للزبیدی. "الرسالة المستطرفة" للکتانی. "بستان المحدثین" اور عجالۂ نافعہ لشاہ عبدالعزیز. "السنة ومکانتها فی التشریع الا سلامی" للسباعی. "السنة قبل التدوین" لحجاج الخطیب، "اضواء علی السنة المحمدیه" لا بی ریّة۔ تدوین حدیث لمناظر احسن گیلانی۔ ابن ماجہ اور علم حدیث لعبدالرشید نعمانی وغیرہ۔

جہاں تک متون حدیث سے تعلق رکھنے والی کتابوں کا تعلق ہے ان میں جو درسی کتابیں ہیں' جیسے صحاح ستہ مؤطامالک، "مشکوٰة المصابیح"۔ "معانی الآثار" للطحاوی، یہ کتابیں چونکہ مولانا نے درس میں پڑھائی ہیں' لہٰذا ان میں سے ہر کتاب اس کے شروح وحواشی کے ساتھ بار بار مولانا کی نظر سے گزری۔ صحیح البخاری کی شروح میں سے فتح الباری اور عمدۃ القاری تو ہر سال آپ کے مطالعہ میں رہیں، ان کے علاوہ حدیث کی جو کتابیں آپ نے مطالعہ فرمائیں' ان میں سے کچھ یہ ہیں:

جامع المسانید لامام ابی حنیفه. کتاب الآثار لامام محمد الشیبانی. کتاب الآثار لامام ابی یوسف. مؤطا لا مام محمد للشیبانی. سنن الشافعی. مسند احمد بن حنبل. الفتح الربانی للساعاتی. کتاب السنة لعبد الله احمد. مسند الربیع بن حبیب. مسند ابی داؤد الطیالسی. المصنف لعبد الرزاق. المسند للحمیدی. المصنف لابن ابی شیبه. سنن سعید بن منصور. سنن الدارمی. المنتقیٰ من السنن المسندة عن المصطفیٰ لا بن جارود. مسند ابی عوانة. مشکل الآثار للطحاوی. المعجم الصغیر للطبرانی. سنن الدار قطنی. صحیح ابن خزیمة. المستدرک للحاکم. السنن الکبریٰ للبیهقی. الجواهر النقی فی الرد علی البیهقی للترکمانی. الا عتبار فی بیان الناسخ والمنسوخ من الا خبار للحازمی. مشارق الانوار للصاغانی. الترغیب والترهیب للمنذری. ریاض الصالحین للنووی. کتاب الا سماء والصفات للبیهقی. شرح السنة للبغوی المحرر فی الحدیث لا بن قدامة. عمدة الاحکام مِن کلام خیر الانام لعبدا لغنی المقدسی. احکام الا حکام شرح عمدة الا حکام لابن وقیق العید. المحلی لا بن حزم. نصب الرایه فی تخریج احادیث الهدایة. جامع العلوم والحکم لا بن رجب. طرح التثریب فی شرح التقریب للعراقی. مجمع الزوائد ومنبع الفوائد للهیثمی. التلخیص الحبیر فی تخریج احادیث الرافعی الکبیر لابن حجر، الدرایة

فی تخریج احادیث الہدایة لابن حجر. بلوغ المرام من ادلة الاحکام لابن حجر. الجامع الصغیر للسیوطی. فیض القدیر شرح جامع الصغیر للمناوی. تیسیرا لوصول الی جامع الاصول لابن الدیبع. جامع الاصول لاحادیث الرسول لابن الاثیر الجزری. کشف الغمة عن جمیع الامة للشعرانی. کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال' لعلی متقی ہندی. کنوز الحقائق فی حدیث خیر الخلائق للمناوی. جمع الفوائد من جامع الاصول ومجمع الزوائد للفأسی. نیل الاوطار للشوکانی. عقود الجواہر المنیفة للزبیدی. شرح رموز الاحادیث للضیاء الدین الکمشخانوی. آثار السنن للنیموی. اعلاء السنن لمظفر احمد تھانوی. ذخائر المواریث للنابلسی. فضل اللہ الصمد شرح ادب المفرد. الاتحاف السنیة فی الاحادیث القدسیة للمدنی. عمل الیوم واللیلة لابن السنی. لطائف المعارف لابن رجب. الحصن الحصین للجزری. علل الحدیث لابن ابی حاتم. تاویل مختلف الحدیث لابن قتیبہ. المقاصد الحسنة للسخاوی. کشف الخفاء للعجلونی. الفوائد المجموعة فی الاحادیث الموضوعة للشوکانی. اللآلی المصنوعة فی الاحادیث الموضوعة للسیوطی. کتاب الموضوعات لابن الجوزی. التعقبات علی الموضوعات للسیوطی. تذکرة الموضوعات لطاہرپٹنی. الموضوعات الکبیر لملا علی قاری. تنزیہ الشریعة المرفوعة للکنانی. اسنی المطالب لابن درویش وغیرہا۔

لغات حدیث میں جو کتابیں مولانا کے مطالعہ میں آئیں' وہ یہ ہیں۔ النہایة للجزری ۔ الفائق للزمخشری ۔ مجمع البحار لطاہر پٹنی اور اسماء الرجال کی ان سب کتابوں کا مولانا نے مطالعہ فرمایا جو مطبوعہ شکل میں عام طور پر دستیاب تھیں' مثلاً: امام بخاری کی تاریخ الکبیر اور کتاب الضعفاء الصغیر ۔ ابن ابی حاتم کی کتاب الجرح والتعدیل ۔ ابن سعد کی الطبقات الکبیر ۔ علامہ ذہبی کی تذکرة الحفاظ اوراس کے تین ذیل ۔ نیز میزان الاعتدال ۔ المشتبہ فی الرجال. سیر اعلام النبلاء. تجرید اسماء الصحابة. رسالہ فی الرواة الثقات المتکلم فیہم ۔ حافظ ابن حجر کی تہذیب التہذیب ۔ لسان المیزان ۔ تعجیل المنفعة. تقریب التہذیب. نیز الاصابة فی تمیز الصحابہ اور طبقات المدلسین. علامہ الخزرجی کی خلاصہ تذہیب الکمال. ابن القیسرانی کی الجمع بین رجال الصحیحین ۔ طاہر پٹنی کی المغنی فی اسماء الرجال. ابو تراب شاہ کی کشف الاستار عن رجال معانی الآثار. عبدالوہاب مدراسی کی کشف الاحوال فی نقد الرجال. الجرانی کی کتاب قرة العین

فی ضبط اسماء رجال الصحیحین. دولابی کی کتاب الکنیٰ والاسماء. علامہ ازدی کی الموتلف والمختلف اور کتاب مشتبہ النسبۃ. جمال الدین دمشقی کی الجرح والتعدیل. مولانا عبدالحی لکھنوی کی الرفع والتکمیل. امام نووی کی الاسماء واللغات. ابن عبدالبر کی الاستیعاب. ابن اثیر جزری کی اسد الغابۃ. ابوعمر الکشی کی معرفۃ الرجال. حافظ برہان الدین کی التبیین لاسماء المدلسین اور الاغتباط بمن رمی بالاختلاط. محبّ طبری کی الریاض النضرۃ. علامہ بلاذری کی انساب الاشراف اور سمعانی کی کتاب الانساب وغیرھا.

علاوہ ازیں مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے فقہ، اصول فقہ، عقائد وکلام، سیرت وتاریخ۔ تصوف واخلاق، منطق وفلسفہ، علم الہیئۃ اور نجوم وغیرہ سے متعلق بھی کثیر التعداد کتابوں کا مطالعہ فرمایا‘ اسی طرح اسلام کے مختلف پہلوؤں پر لکھی ہوئی عصر حاضر کے علماء کی بھی بہت سی کتابیں آپ کے زیر مطالعہ آئیں۔ مولانا بنوری نوراللہ مرقدہ کے وسعتِ مطالعہ کا آپ اس سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ایک مرتبہ خود فرمایا کہ: معارف السنن کی تصنیف کے سلسلہ میں مجھے مختلف کتابوں کے تقریباً دولاکھ صفحات پڑھنے اور مطالعہ کرنے کا موقعہ ملا۔

حضرت مولانا بنوری قدس اللہ سرہ العزیز کے علمی مشاغل میں سے دوسرا محبوب مشغلہ تدریس وتعلیم کا مشغلہ تھا جو تقریباً نصف صدی اور زندگی کے آخری ایام تک جاری رہا‘ اس عرصہ میں آپ نے مختلف مدارس کی مسند تدریس کو رونق بخشی اور ہزارہا طلبہ کو مستفید اور فیض یاب فرمایا۔ شاید ہی دنیا میں کوئی ایسا ملک ہو جہاں مولانا کے تلانذہ اور فیض یافتہ موجود نہ ہوں‘ آج ان میں مشہور استاذ اور مدرس بھی ہیں اور مصنف ومؤلف بھی‘ نیز داعی اور مبلغ بھی ہیں اور بلند پایۂ امام وخطیب بھی‘ سب اپنی اپنی جگہ خوب کام کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں توفیق دے کہ وہ اپنے محبوب استاذ اور عظیم شیخ کے نقش قدم پر چلیں اور ان کے مشن کو نہ صرف یہ کہ زندہ رکھیں‘ بلکہ زیادہ سے زیادہ آگے بڑھائیں۔

تدریس میں مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ کا جو طریقہ تھا وہ بڑی حد تک اپنے محبوب استاذ حضرت شاہ صاحب نوراللہ مرقدہ کے طریقۂ تدریس سے ملتا جلتا‘ بلکہ اس سے ماخوذ تھا‘ وہ یہ کہ زیرِ درس مسئلہ کے متعلق صرف ان باتوں کے بیان پر اکتفا نہ کرتے جو کتاب‘ ان کے حواشی اور مطبوعہ شروح میں لکھی ہوتیں‘ بلکہ ان کے ساتھ ساتھ بہت سی ایسی نادر معلومات بھی پیش فرماتے جو اس علم وفن کی دوسری کتابوں میں مذکور ہوتیں اور جن سے زیرِ بحث مسئلہ کے کچھ دوسرے پہلوؤں پر روشنی پڑتی۔ نیز طلباء کو یہ بھی بتلاتے کہ اس مسئلہ پر کس نے کس کتاب میں زیادہ بہتر طور پر لکھا ہے‘ تاکہ طلباء اس غلط فہمی میں مبتلا نہ رہیں کہ انہوں نے جو پڑھا ہے وہی سب کچھ ہے۔ اب مزید کچھ پڑھنے کی ضرورت نہیں اور تاکہ وہ آئندہ مزید پڑھنے اور مطالعہ کرنے کی کوشش کریں

والنحل۔ نهاية الاقدام۔ روح المعانی ۔ابن رشد کی فصل المقال اور تهافة التهافة۔ طوسی کی تجرید۔ ام البراهين۔ شرح سلم العلوم ۔ابن سینا کی الاشارات ۔ابن عربی شیخ اکبر کی فتوحات مکیہ۔ الانسان الکامل ۔ اتحاف السادة المتقين۔ تحریر الاصول ۔ مشکوٰة الانوار ۔ الکلیات ۔ تذکرہ۔ مصباح الدجی ۔حاشیة نظامیه ۔تقریر دلپذیر۔قبلہ نما۔رسالہ قاسم العلوم ۔نیز فارابی۔ محقق دوانی۔ ملا باقر داماد۔ میر زاہد وغیرہ کی کتابوں سے بھی استفادہ فرمایا گیا ہے‘ لیکن چونکہ حوالے مبہم ومجمل تھے‘لہذا اس کی تخریج کا کام بڑا مشکل اور صبر آزما تھا‘ جسے مولانا بنوری نور اللہ مرقدہ جیسا عالم ہی کر سکتا تھا‘ مولانا نے کچھ کام کرنے کے بعد استاذ محترم حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو دکھایا، وہ دیکھ کر بے حد متاثر اور خوش ہوئے اور اس تاثر اور خوشی کا اظہار حضرت شاہ صاحب نے اس وقت فرمایا جب صدر الصدور نواب حبیب الرحمٰن خان شروانی رحمۃ اللہ علیہ آپ سے ملنے کے لئے دیوبند تشریف لائے اور آپ کے ساتھ گھر میں بیٹھے ہوئے تھے۔ مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ جب سامنے آئے تو حضرت شاہ صاحب نے مولانا کا تعارف نواب صاحب سے اپنے ان الفاظ کے ساتھ کرایا۔

’’یہ صاحب سید آدم بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں سے ہیں اور صاحب سواد ہیں‘ یہ آج کل جو علمی کام کر رہے ہیں‘ دوسرا کوئی نہیں کر سکتا۔یعنی ضرب الخاتم کی تخریج کا کام۔‘‘

تو نواب صاحب مرحوم ومغفور ادب واحترام سے کھڑے ہوگئے اور خوشی سے مصافحہ کیا اور پھر برابر قدر و منزلت سے پیش آتے رہے۔یہ قصہ خود حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی زبان مبارک سے ہم نے کئی بار سنا ہے‘ یہاں اسے نقل کرنے سے مقصود یہ ظاہر کرنا ہے کہ مولانا بنوری نور اللہ مرقدہ کو تخریج کے کام میں جو اعلیٰ مہارت حاصل تھی‘ حضرت شاہ صاحب نے بھی اس کا اعتراف فرمایا۔

مولانا بنوری نور اللہ تعالیٰ مرقدہ کی تصنیف میں ایک خوبی یہ بھی نظر آتی ہے کہ وہ جب کسی مسئلہ پر بحث کے دوران کسی دوسرے مصنف کی تحقیق نقل کرتے ہیں تو عام مصنفین کی طرح من وعن اس کی عبارت نقل نہیں کرتے‘ بلکہ اپنے الفاظ اور اپنے اسلوب میں اس کا مطلب بیان کرتے ہیں جو اس کی بہترین ترجمانی ہوتی ہے۔ نیز وہ محض دوسروں کی باتیں نقل کرنے پر اکتفاء نہیں کرتے‘ بلکہ بعض دفعہ ان پر ناقدانہ تبصرہ اور تحقیق بھی کرتے ہیں‘لیکن اس انداز سے کہ دوسرے کی تنقیص وتحقیر نہیں ہوتی اور اس کا مقام ومرتبہ محفوظ رہتا ہے۔’’معارف السنن‘‘میں یہ خوبی نمایاں نظر آتی ہے۔اسی طرح مولانا کی تصنیفات سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کو مواد کے انتخاب اور پھر اسے نہایت عمدہ ترتیب کے ساتھ پیش کرنے میں بھی خاص درجہ اور ممتاز مقام حاصل تھا‘ وہ جس طرح ہر محل وموقع کے لئے بہترین مواد منتخب فرماتے‘ اسی طرح اسے بہترین ترتیب وتنظیم کے ساتھ پیش بھی

حضرت اپنا نیا مدرسہ قائم کرنا خاصہ مشکل کام ہے اور آپ کی مالی حالت بھی کچھ اچھی نہیں لہذا بہتر ہے کہ آپ اپنی شرائط کے مطابق کسی مدرسہ کی پیشکش قبول فرمالیں، تو جواب میں فرمایا کہ: میں نے اللہ کے بھروسے پر یہ فیصلہ کرلیا ہے کہ اب مجھے اپنی پسند کا مدرسہ قائم کرنا ہے، خواہ اس میں کیسی ہی مشکلات کیوں نہ پیش آئیں اور کتنی ہی تکلیف کیوں نہ اٹھانی پڑے اور انشاء اللہ مدرسہ کراچی میں قائم کروں گا۔

مولانا بنوری نور اللہ مرقدہ کو ایک ایسے مدرسے کی ضرورت کا شدت سے احساس تھا، جس میں ذہین قسم کے فارغ التحصیل اور محنتی طلباء کو مزید دو تین سال تعلیم و تربیت دی جائے، اس میں ایک تو ان کی اس خامی کو دور کیا جائے جو عربی لکھنے، بولنے اور سمجھنے کے متعلق ان کے اندر رہ جاتی ہے، اور دوسرے اس کمی کو پورا کیا جائے جو علوم القرآن کے متعلق ان کے اندر موجود ہوتی ہے۔ اس لئے انہوں نے درسیات میں اس موضوع پر کوئی کتاب نہیں پڑھی ہوتی۔ یعنی علامہ سیوطی کی ''الاتقان'' جیسی کوئی کتاب بھی پڑھائی جائے اور ان کے لئے قرآنی حقائق و معارف سے آگاہی کی خاطر درس قرآن حکیم کا ایسا انتظام بھی ہو جس میں مختلف تفاسیر کا خلاصہ آجائے اور انہیں اچھی طرح معلوم ہوجائے کہ زندگی کے مختلف شعبوں کے متعلق قرآن مجید کی ہدایت و رہنمائی کیا ہے؟ اسی طرح ضروری ہے کہ انہیں دوبارہ صحیح البخاری پوری تحقیق و تفصیل کے ساتھ پڑھائی جائے، تاکہ ان کے اندر حدیثِ نبوی کا صحیح علم و فہم اور ستھرا ذوق پیدا ہو، اور پھر اس کے ساتھ انہیں عصری علوم میں سے تاریخ، جغرافیہ، عمرانیات وغیرہ سے بھی واقف اور روشناس کرایا جائے، تاکہ وہ نئی نسل کو مطمئن کرسکیں۔

چنانچہ کچھ عرصہ کے بعد مولانا قدس اللہ سرہ نے جب کراچی میں مدرسہ قائم کیا تو اس میں چند فارغ التحصیل محنتی طلباء کو لیا، اور اپنے منصوبے کے مطابق انہیں تعلیم دینی شروع کی اور اس میں اپنے ساتھ اپنے خاص الخاص مخلص اور انتہائی مستعد اور قابلِ اعتماد دوست مولانا لطف اللہ صاحب جہانگیروی مدظلہم کو شریک کار کیا، جو دینی علوم میں مہارت کے ساتھ ساتھ تاریخ و جغرافیہ وغیرہ میں بھی اچھی واقفیت رکھتے تھے، نیز انہیں تقریر کے ساتھ تحریر میں بھی بہت اچھا ملکہ حاصل تھا اور بلند پایہ ادیب تھے۔ مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے جب اپنے پیشِ نظر کام کے لئے سوچا تو انہیں اپنے احباب و اصدقاء میں حضرت مولانا لطف اللہ صاحب مدظلہم ہر لحاظ سے بہتر اور موزوں تر نظر آئے، لہذا انہیں کراچی بلاکر ان کی رفاقت میں کام شروع کردیا، پھر ایک دوسرے دوست حضرت مولانا محمد یوسف مردانی رحمۃ اللہ علیہ کو رفیق کار بنایا جو بہت جید اور ذکی عالم تھے، کچھ عرصہ پہلے وفات پاچکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ غریق رحمت فرمائے۔

یہاں مجھے نہ تو اس مدرسہ کے متعلق یہ عرض کرنا ہے کہ کس کے تعاون سے کہاں قائم ہوا، اور نہ یہ کہ کیا مشکلات پیش آئیں اور ان سے کس طرح نمٹا گیا اور کیوں ایک جگہ چھوڑ کر دوسری جگہ اختیار کرنی پڑی، بلکہ صرف

یہ عرض کرنا ہے کہ مولانا نے تعلیم کا جو سلسلہ شروع کیا وہ دوسرے مدارس کے مروجہ طریقہ سے مختلف تھا‘ اس میں اوپر کی اعلیٰ تعلیم کی طرف توجہ دی گئی۔ قرآن حکیم، متعدد تفاسیر کی روشنی میں تحقیق کے ساتھ پڑھایا گیا۔ اسی طرح مولانا نے بخاری شریف بھی بڑی محنت سے پڑھائی‘ اس کے ساتھ ساتھ عربی ادب اور تاریخ کی بھی تدریس ہوئی۔ آگے چل کر احساس ہوا کہ جس معیار کے علماء ہم تیار کرنا چاہتے ہیں‘ اس کے لئے ضروری ہے کہ طلباء کم از کم تین سال ہمارے ہاں گزاریں‘ لہذا تین درجے قائم کردیئے گئے۔ ا:...ایک درجہ موقوف علیہ کا۔ ۲:...دوسرا دورۂ حدیث کا۔ ۳:...تیسرا تکمیل کا۔ تکمیل کے درجہ کا مولانا نے جو نصاب درجہ تکمیل کے لئے تیار کیا اس میں ”الاتقان فی علوم القرآن، حجة الله البالغه، مقدمه ابن خلدون، الوسیط فی تاریخ الادب اور تاریخ اسلام اور جغرافیہ عالم وغیرہ“ ایک سال مقدمہ ابن خلدون میں نے پڑھایا‘ جدید عربی ادب پڑھانے کے لئے مصری استاذ کا تقرر ہوا۔

حضرت مولانا بنوری نور اللہ تعالیٰ مرقدہ کے علمی مشاغل میں سے مطالعے اور تدریس کے بعد تیسرا محبوب مشغلہ تصنیف وتالیف کا مشغلہ تھا‘ اللہ تعالیٰ نے مولانا کو تصنیف وتالیف کی اعلیٰ صلاحیتوں سے نوازا تھا‘ اگر حالات آپ کا ساتھ دیتے اور فرصت اور یکسوئی میسر ہوتی تو نہ جانے آپ کتنی کتابوں کے مصنف ہوتے اور آج ہمارے پاس ان کا کتنا ذخیرہ ہوتا۔

مولانا کو لکھنے میں بڑی مہارت اور آپ کی قلم میں بڑی روانی اور سرعت تھی‘ جب لکھنے بیٹھتے تو ایک گھنٹہ میں اتنا لکھ دیتے کہ دوسرا پورا دن‘ بلکہ ہفتہ میں بھی نہ لکھ سکتا تھا اور پھر جو لکھتے ایسا لکھتے کہ وہی مسودہ اور وہی مبیضہ، کم از کم مجھے یاد نہیں کہ آپ نے کسی موضوع ومسئلہ پر لکھنے سے پہلے مسودہ بنایا ہو اور پھر اس میں حک و اضافہ کرکے مبیضہ کی شکل دی ہو‘ یعنی اپنے لکھے ہوئے میں کاٹ چھان کی ہو‘ جس طرح کہ عام لکھنے والے کیا کرتے ہیں۔

مولانا نور اللہ تعالیٰ مرقدہ کا خط صاف اور قدرے باریک ہوتا۔ سطریں ایسی لگتیں جیسے باریک موتیوں کی لڑیاں اور رسم الخط میں نسخ اور نستعلیق دونوں کا ملا جلا رنگ جھلکتا، طرزِ نگارش اور اسلوب تحریر بھی عجیب دلکش تھا، اس میں قدامت بھی تھی اور جدت بھی۔ سادگی بھی تھی اور رنگینی بھی۔ متانت بھی تھی اور شوخی بھی۔ علمی شان بھی تھی اور ادبی شوکت بھی۔ فصاحت بھی تھی اور جزالت اور بلاغت بھی۔ مولانا مادر زاد ادیب تھے اور انہیں تحریر پر بڑی قدرت تھی‘ وہ جس موضوع پر جو مضمون لکھنا چاہتے‘ برجستہ اور خوبصورت لکھتے اور اس میں معنوی حسن کے ساتھ صوری حسن بھی جھلکتا اور پڑھنے والوں سے خراجِ تحسین وصول کرتے۔

تصنیف وتالیف کے کام میں مولانا بنوری نور اللہ تعالیٰ مرقدہ کو تخریج اور تلخیص میں خاص کمال حاصل

ایمان افروز، روح پرور اور وجد آفریں ہوتی‘ آپ سراپا عجز وانکسار، مجسمہ اخبات وانابت اور پیکر خشوع وخضوع بنے محوِ عبادت اور مستغرق دعا واستغفار ہوتے‘ گویا اللہ تعالیٰ کو سامنے دیکھ رہے ہیں۔ الحمد للہ! مجھے دو مرتبہ یہ مبارک منظر دیکھنے کا موقع ملا۔

مولانا بنوری نور اللہ تعالیٰ مرقدہ مالی عبادت میں بھی بہت فراخ دل اور کشادہ دست تھے‘ زکوٰۃ و صدقات نہایت خوش دلی اور فیاضی کے ساتھ دیتے اور حرمین شریفین میں تو لٹاتے‘ اللہ تعالیٰ بہت سے مساکین و فقراء کی ضرورتیں آپ کے ذریعہ پوری فرماتا‘ کئی لوگ تو ہر مہینہ آتے اور اپنا حصہ وصول کر کے لے جاتے اور دعائیں دیتے۔

نمازِ تہجد مولانا نور اللہ تعالیٰ مرقدہ کا دائمی معمول تھا‘ اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ بچپن سے لے کر آخر عمر تک قائم اور جاری رہا۔ مولانا نے بچپن میں ’’حصن حصین‘‘ پڑھی تھی‘ لہذا آپ کو ہر موقع ومحل کی مسنون دعائیں سب یاد تھیں اور آپ برابر انہیں پڑھتے رہتے تھے‘ اور بعض دفعہ سن کر بڑا لطف آتا تھا۔ یقین ہے کہ اللہ غفور ورحیم نے ان کی ان مخلصانہ عبادات ودعوات کو ضرور شرفِ قبولیت سے نوازا ہوگا اور وہ آج اس کا عظیم اجر وثواب پا رہے ہوں گے۔ **اللھم لا تحرمنا اجرھم!**

حضرت مولانا بنوری نور اللہ تعالیٰ مرقدہ کو تصوف سے بھی گہرا لگاؤ تھا‘ اس لئے بھی کہ یہ چیز گویا آپ کی خاندانی میراث تھی‘ مولانا کے جد امجد عارف باللہ حضرت آدم بنوری رحمۃ اللہ علیہ حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے اکابر خلفاء میں سے تھے‘ لاکھوں گمراہ انسانوں کو آپ کے ذریعہ راہِ ہدایت ملی اور وہ آپ کی اعلیٰ روحانی تربیت سے فیض یاب ہوکر درجہ کمال کو پہنچے‘ ان کے حالات پر مستقل کتابیں موجود ہیں‘ اور پھر یہ سلسلہ ان کی اولاد میں بھی برابر جاری رہا۔ حضرت مولانا کے والد ماجد حضرت سید محمد زکریا بنوری قدس اللہ سرہ العزیز میدانِ تصوف کے شہسوار تھے‘ ان کے کچھ حالات اس مضمون سے ظاہر ہوجاتے ہیں جو مولانا بنوری نے ان کی وفات کے بعد ’’بینات‘‘ میں تحریر فرمایا تھا۔ بنا بریں تصوف مولانا کے لئے کوئی اجنبی چیز نہ تھی‘ بلکہ ایک معروف اور مانوس چیز تھی‘ مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے خود میں نے کئی بار سنا کہ میں نے تصوف کی تمام بنیادی اور اہم کتابوں کا بڑی توجہ کے ساتھ مطالعہ کیا ہے۔ سراج الطوسی کی کتاب اللمع، قشیری کی رسالہ قشیریہ، ابو طالب مکی کی قوت القلوب، ہجویری کی کشف المحجوب، امام غزالی کی احیاء العلوم اور دیگر کئی کتابیں، شیخ اکبر اور علامہ شعرانی کی متعدد کتابیں، نیز حضرت شاہ ولی اللہ کی کتابیں اور حضرت مجدد الف ثانی کے مکتوبات اور دیگر کتابیں‘ آخر میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی ’’تربیت السالک‘‘ اور ’’التکشف‘‘ وغیرہ کتابیں‘ یہ ان کتابوں میں سے صرف چند کے نام ہیں جو مولانا نے تصوف پر مطالعہ فرمائیں۔ تصوف کے اس وسیع اور گہرے علم کے ساتھ مولانا نے کسی

اوران کے علم میں وسعت اور گہرائی پیدا ہو' بالفاظِ دیگر تدریس کا وہ طریقہ یہ تھا کہ زیرِ درس مسئلہ کے متعلق طالب علم کو متنوع معلومات سے مالا مال کرنے کے ساتھ ساتھ ایسی کتابوں کی طرف بھی راہنمائی فرماتے' جن میں اس مسئلہ کے بارے میں مزید معلومات ہوں' تاکہ طالب علم آئندہ کبھی ان کتابوں کا مطالعہ کر کے مزید معلومات حاصل کر سکے اور اس کے علم میں زیادہ گہرائی اور گیرائی پیدا ہو۔

پھر چونکہ مقصد یہ تھا کہ طالب علم کے ذہن میں مطلب اچھی طرح بیٹھ جائے' لہذا اس کو بار بار تکرار کے ساتھ دہرائی میں کوئی حرج محسوس نہ کرتے اور پورے زور کے ساتھ بولتے' تاکہ طالب علم کی توجہ آپ کی طرف رہے اور بات آسانی کے ساتھ سمجھ جائے اور اس میں بطور تکیہ کلام بار بار یہ فرماتے ''آیا خیال میں''۔ اس لئے کہ اس سے مطلب سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

اور عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ مدرسین حضرات جب کوئی کتاب شروع کراتے ہیں تو کچھ عرصہ تک پورے زور وشور کے ساتھ پڑھاتے اور لمبی چوڑی تقریریں کرتے ہیں' لیکن آگے چل کر کمزور اور سست پڑ جاتے ہیں۔ کوئی بہت ضروری بات ہو تو بیان کرتے ہیں' ورنہ چلئے چلئے کہہ کر تیزی کے ساتھ آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں' تاکہ کتاب جلد ختم ہو اور ان کے دماغ کو سکون ملے۔ دراصل یہ حضرات شروع میں خوب مطالعہ اور محنت کرتے ہیں' لیکن آگے چل کر کچھ تھک جاتے' یا سستی اور فرصت کی وجہ سے زیادہ مطالعہ اور محنت نہیں کر پاتے اور بعض دفعہ اس کا سبب کتاب ختم کرانے کی فکر بھی ہوتی ہے' بہر حال یہ ہوتا ہے' لیکن مولانا بنوری قدس اللہ سرہ العزیز کے درس میں شروع سے آخر تک ایک ہی طرح کا زور وشور اور جوش وخروش رہتا اور اول وآخر میں کچھ فرق نہ ہوتا بیان کو جوشان وشوکت ابتداء سال میں ہوتی' وہ انتہاء سال تک برقرار رہتی' جہاں جس مسئلہ پر بولنے کی ضرورت ہوتی' ضرور بولتے۔ خواہ طبیعت ناساز ہی کیوں نہ ہو۔

کراچی میں اپنا مدرسہ قائم کرنے سے پہلے حضرت مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ جہاں جس مدرسہ میں رہے' اس کی اصلاح کے لئے کوشش فرماتے رہے اور کچھ نہ کچھ کامیابی بھی ضرور ہوئی' آخر میں جب جامع اسلامیہ ڈابھیل نے بھی دارالعلوم اسلامیہ ٹنڈوالہ یار میں تشریف لائے تو یہاں بھی کچھ اصلاحات کی کوشش کی' لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔ بالآخر مدرسہ سے تعلق ختم کر کے علیحدہ ہو جانا پڑا' اس آخری تلخ تجربے کے بعد انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ اب کسی دوسرے مدرسہ میں کسی حیثیت سے نہیں جانا اور اپنی مرضی کا مدرسہ خود قائم کرنا ہے' خواہ اس میں کتنی ہی تکلیف اٹھانی پڑے۔ مجھے یاد ہے کہ اس درمیانی وقفہ میں کئی مدارس کے مہتمم حضرات نے درخواست کی کہ حضرت والا بحیثیت شیخ الحدیث اور صدر مدرس ہمارے مدرسہ کو زینت بخشیں اور کافی بڑی تنخواہ وغیرہ کی بھی پیشکش کی' لیکن مولانا نے صاف انکار کر دیا۔ انہی دنوں ایک دفعہ میں نے تنہائی میں عرض کیا کہ

فرماتے۔

حضرت مولانا بنوری نور اللہ تعالیٰ مرقدہ جن موضوعات پر چاہتے تھے کہ کتابیں تصنیف کی جائیں' ان میں سے ایک موضوع ''جدید علم الکلام'' کا موضوع تھا۔ بارہا فرمایا کہ: آج ایک نئے علم الکلام کی ضرورت ہے' جن میں اسلامی عقائد کی حقانیت سائنس کے نظریات سے ثابت کی گئی ہو' تاکہ ان تعلیم یافتہ نوجوانوں کو اسلامی عقائد کے متعلق مطمئن کیا جاسکے جو سائنس سے متاثر اور مرعوب ہیں اور جو ہر اس بات کو صحیح اور حق سمجھتے ہیں جو سائنسی اصول ونظریات سے مطابقت رکھتی ہو۔ دوسرا موضوع ''اسلامی معاشیات'' کا موضوع تھا' چنانچہ اس کے لئے کچھ عرصہ پہلے مولانا نے چند علماء کرام کی ایک کمیٹی بنائی اور اس کے ذمے یہ کام کیا کہ وہ اسلامی معاشیات پر کوئی چھوٹی بڑی کتاب تیار کرے' جو ان لوگوں کو مطمئن کرسکے جن کا مقصد اسلام کے معاشی نظام کو جاننا اور سمجھنا ہے' لیکن افسوس کہ وہ کام پایہ تکمیل کو نہ پہنچ سکا اور مولانا کی آرزو پوری نہ ہوئی۔ اسلامی کونسل میں آنے کے بعد انہیں ایک مرتبہ پھر اس ضرورت کا شدید احساس ہوا۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر کچھ دن اور زندہ رہتے تو ان کی توجہ اور کوشش سے ضرور کچھ نہ کچھ کام ہوجاتا۔ بہرحال کام کرنے کے لئے ایک وقت مقرر ہے' جب وہ وقت آئے گا تو اس کی کامیابی کے اسباب فراہم ہوجائیں گے۔

قارئین کرام پر واضح رہے کہ ان صفحات میں، میں نے حضرت مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے علمی مشاغل اور ان کی خصوصیات کے متعلق جو کچھ لکھا ہے' یہ حضرت مولانا کی علمی زندگی کی چند جھلکیاں اور اس کی تصویر کے چند خدوخال ہیں' اور جو کچھ لکھا ہے' اپنے علم وفہم اور یادداشت کے مطابق لکھا ہے۔

اب میں حیات بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے دو اور پہلوؤں پر مختصر طریقہ سے کچھ لکھنا چاہتا ہوں۔ ایک عباداتی پہلو پر اور دوسرے جمالیاتی پہلو پر۔ کیونکہ علم کی طرح یہ دو پہلو بھی مولانا کی زندگی کے اہم پہلو ہیں۔

تاریخ میں بہت سی مثالیں ملتی ہیں کہ بعض حضرات علم وفضل میں بہت اونچا مقام رکھتے ہیں اور دنیا ان کی علمی فضیلت کا اعتراف کرتی تھی، لیکن عباداتِ الٰہی کے معاملہ میں وہ حد درجہ سست، کمزور اور ناقص تھے' گویا اس کی ان کے دل میں کوئی خاص اہمیت ہی نہ تھی اور وہ اسے غیر ضروری چیز سمجھتے تھے' لیکن ہمارے مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عبادت سب سے اہم اور ضروری چیز تھی' لہذا وہ ہر عبادت خواہ بدنی ہو یا مالی، قولی ہو یا فعلی، فرض ہو یا نفل پورے ذوق وشوق اور نہایت اہتمام کے ساتھ ادا فرماتے تھے اور ان معمولی آداب کا بھی پورا خیال رکھتے تھے۔ نماز باجماعت کا انتہائی التزام تھا، اگر کبھی کسی عذر کی وجہ سے مسجد میں نہ پہنچ سکتے تو اپنی جگہ جماعت کرتے۔ کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ شادی وغیرہ کی تقریب میں شرکت فرمائی جو کسی بڑے ہوٹل یا کسی بنگلے میں تھی' اور درمیان میں مغرب یا عشاء کا وقت آگیا تو آپ نے منتظمین کو حکم دیا کہ ہم باجماعت نماز پڑھیں گے' اس کے

لئے جگہ اور فرش کا انتظام کیا جائے' چنانچہ انتظام کیا گیا اور آپ نے باجماعت نماز ادا فرمائی۔ وہ کبھی یہ کہہ کر نماز عشاء کو مؤخر نہیں کرتے تھے کہ وہ دیر میں بھی پڑھی جاسکتی ہے' لہٰذا تقریب ختم ہونے کے بعد پڑھ لیں گے' کیونکہ اس سے بہت سے لوگوں کا جماعت سے محروم ہو جانا لازمی ہوتا ہے۔

رمضان المبارک میں تو مولانا سراپا عبادت بن جاتے تھے' خوب ذوق وشوق سے روزے رکھتے اور رات کا بڑا حصہ نماز اور تلاوت میں گزارتے' گھٹنوں کے درد کے باوجود تراویح میں پانچ پانچ پارے سنتے اور جب حرمین شریفین میں ہوتے تو اس نشاط سے عبادت کرتے کہ دیکھنے والوں کو رشک آتا' بمشکل دو تین گھنٹے آرام کرتے، باقی سارا وقت مختلف عبادات میں گزرتا۔ مجھے وہ وقت کبھی نہیں بھول سکتا کہ رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں مسجد نبوی ﷺ میں معتکف تھے' گھٹنوں میں درد کی تکلیف کا سب لوگوں کا علم تھا' اتفاق سے اس مرض کے ایک ماہر اسپیشلسٹ ڈاکٹر جو غالباً لائلپور کے تھے، مدینہ منورہ پہنچ گئے' کسی نے ان سے مولانا کی بیماری کا ذکر کیا تو وہ مولانا کے پاس معتکف میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ: حضرت میں اس کا علاج گھٹنے میں ایک خاص انجکشن لگا کر کرتا ہوں اور فائدہ ہوتا ہے، چاہتا ہوں کہ آپ کو بھی لگاؤں۔ فرمایا: بہت اچھا۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب نے بڑی محنت سے انجکشن لگایا اور عرض کیا کہ ضروری ہے کہ ایک دو دن آپ نماز بیٹھ کر ادا کریں' کھڑے ہو کر پڑھنے سے فائدہ زائل ہو جائے گا' آپ اس پر خاموش رہے' لیکن جب عشاء کی جماعت کھڑی ہوئی تو آپ بھی کھڑے ہو گئے اور نہ صرف یہ کہ فرض نماز' بلکہ اس کے بعد تراویح جس میں کئی پارے پڑھے گئے، پھر تہجد جس میں تین پارے ہوئے' سب میں اول سے آخر تک کھڑے رہے' فرض ونفل سب نمازیں کھڑے ہو کر ادا فرمائیں' ہم لوگوں نے عرض کیا کہ: حضرت! باوجود ڈاکٹر کے منع کرنے کے آپ نے رات پھر سب نمازیں کھڑے ہو کر ادا فرمائیں' ایسا کیوں ہوا؟

تو جواب میں فرمایا: بات یہ ہے کہ ڈاکٹر کے انجکشن سے مجھے درد میں سکون محسوس ہوا' لہٰذا دل میں آیا کہ کیوں نہ اس سکون سے روحانی فائدہ اٹھایا جائے' عشرۂ اخیرہ کی یہ مبارک راتیں اور پھر مسجد نبوی ﷺ میں' ہمیشہ ہمیشہ یہ تھوڑی ہی مل سکتی ہیں' میں جسمانی راحت کی خاطر کیسے ان روحانی فیوض وبرکات سے محروم ہو جاؤں' اللہ مالک ہے' اگر صحت نصیب ہوئی تو مل جائے گی۔

مکہ مکرمہ میں قیام کے دوران حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ باوجود گھٹنوں کے درد کے' مسلسل کئی کئی طواف کرتے' اسی طرح عموماً صف اول میں کھڑے ہوتے اور جب احباب کے ساتھ حرم شریف میں بیٹھتے تو میزابِ رحمت کے سامنے ایک جگہ مقرر تھی، ہمیشہ وہیں بیٹھتے اور ذکر وفکر اور وعظ ونصیحت فرماتے۔

عرفہ کے دن میدان عرفات میں مولانا نور اللہ مرقدہ کی جو حالت ہوتی، نہ پوچھئے کہ وہ کیسی رقت انگیز،

تھا' مولانا کا عظیم شاہکار یعنی آپ کی کتاب ''معارف السنن'' اس کمال کا روشن ثبوت ہے۔ دراصل یہ کتاب ''عرف الشذی'' کی تخریج کے مقصد سے وجود میں آئی' لیکن تخریج اتنی بڑھ گئی کہ دیکھنے والوں نے یہ کہا کہ یہ ایک مستقل کتاب بن گئی ہے' لہذا اسے تخریج عرف الشذی کے بجائے شرح ترمذی کے نام سے شائع کیا جائے' چنانچہ معارف السنن شرح جامع الترمذی کے نام سے چھ جلدوں میں شائع ہوئی' جب کہ یہ صرف ترمذی کی جلد اول یعنی آدھی کتاب کی شرح ہے' اگر یہ مکمل ہوتی تو دس جلدوں تک ضرور پہنچ جاتی' جہاں تک تلخیص کا تعلق ہے' اس کتاب میں وہ بھی نہایت عمدہ شکل میں موجود ہے' کتنی وہ بحثیں جو دوسری کتابوں کے اندر کئی کئی صفحات میں پھیلی ہوئی ہیں' اس کتاب میں اس کا خلاصہ چند سطور میں پیش کیا گیا ہے' اور مطلب نہایت واضح ہے۔ حضرت مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی تلخیص کا کمال اس وقت واضح ہوتا ہے جب ان کے خلاصے کے ساتھ دوسری کتابوں کی ان طویل طویل عبارات کو دیکھا جائے' جن کا آپ نے اپنے الفاظ میں خلاصہ پیش کیا ہے۔ مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا: مجھے اللہ نے علامہ ذہبی کی طرح تلخیص کا ملکہ عطا فرمایا ہے' میں چاہتا تو بڑی بڑی کتابوں کے خلاصے کر سکتا تھا۔ مصنف عبدالرزاق جو مجلس علمی نے گیارہ جلدوں میں شائع کی ہے' اس کا خلاصہ دو تین جلدوں میں کر سکتا ہوں اور انشاء اللہ کوئی خاص بات باقی نہ رہے گی۔

کسی کتاب کے مضامین کے متعلق یہ پتہ چلانا کہ وہ کن دوسری کتابوں سے اخذ کئے گئے ہیں' اس صورت میں نہایت مشکل اور عرق ریزی کا کام ہوتا' جب مصنفِ کتاب نے کسی مآخذ کا سرے سے حوالہ ہی نہ دیا ہو یا حوالہ تو دیا ہو' لیکن نہایت مبہم و مجمل' مثلاً کتاب کا نام تو دیا ہو لیکن مصنف کا نام نہ بتلایا ہو اور پھر جب کہ اس نام کی متعدد کتابیں مصنفین کی تصنیف کردہ موجود ہوں' یا مثلاً مصنف کا نام ذکر کیا ہو' لیکن کتاب کا نام ذکر نہ کیا ہو' جبکہ اس مصنف کی ایک ہی علم وفن پر لکھی ہوئی متعدد کتابیں پائی جاتی ہوں' یا یہ کہ کتاب اور مصنف دونوں کا ذکر ہو' لیکن کتاب کی جلد اگر متعدد ہوں' اس کے باب' فصل اور صفحے کا حوالہ نہ ہو' ان سب صورتوں میں مآخذ کی اصل عبارت کو ڈھونڈھ کر نکالنا' بڑی دماغ سوزی اور دردِ سر کا کام ہے۔ اسی کا مختصر نام تخریج ہے۔

مولانا بنوری نوراللہ تعالیٰ مرقدہ کو اللہ تعالیٰ نے تخریج کے اس مشکل کام کی خاص مہارت عطا فرمائی تھی' اور اس کا پہلی دفعہ اظہار اس وقت ہوا جب مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے محبوب شیخ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اس منظوم رسالے کی تخریج فرمائی' جس کا نام ''ضرب الخاتم علی حدوث العالم'' اور جو الٰہیاتی مسائل میں دریا در کوزہ کا مصداق ہے۔ اشارات اور بین السطور توضیحات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس رسالے کی تصنیف میں جن کتابوں سے فائدہ اٹھایا گیا ہے' وہ دو درجن سے زیادہ ہیں' ان میں ''دائرۃ المعارف بستانی۔ دائرۃ المعارف فرید وجدی۔ اسفارِ اربعہ۔ حاشیہ اسفار۔ الفصل بین الملل

کے کچھ آدمی بھی پیدا ہو سکے؟'' پھر فرمایا: ''میں تو یہ دیکھتا ہوں کہ اچھے اچھے علماء کی نظر بھی اسباب وعلل پر لگی ہوئی ہے' توحید میں رسوخ اور توکل واستغنیٰ عنقا ہو گیا ہے۔'' بس اتنا سننا تھا کہ مولانا پر ایسا سخت گریہ طاری ہو گیا کہ سسکیاں بندھ گئیں۔ واپسی پر حضرت شیخ نے مجھ سے فرمایا کہ: ''ماشاء اللہ مولانا بڑے رقیق القلب ہیں اور نفس پر نگاہ خوب رہتی ہے۔'' غرض مولانا کے محاسبۂ نفس کے واقعات اگر گنائے جائیں تو دفتر چاہئے۔ ''وہ ہوش در دم'' والی صوفیانہ اصطلاح کی حقیقت تک پہنچے ہوئے تھے۔

کسی انسان کی سیرت کا ایک جمالیاتی پہلو جو آج بھی کمیاب ہے، یہ ہے کہ زبان و دل کی پوری پوری رفاقت اس میں موجود ہو' یہ ادائے حسن مولانا بنوری میں بالکل نمایاں تھی' وہ ایک اور یکساں تھے' ان کے قلب اور ان کی زبان میں گہری یگانگت اور دائمی رفاقت تھی' اس لئے وہ خلوت وجلوت میں کبھی مختلف نظر نہیں آتے' مدّ وجزر' ان کی طبیعت میں ضرور تھا' مگر یہ بھی نج اور باہر کے فرق کو مٹائے ہوئے تھے اور رسمی مصلحت اندیشی سے بھی نا آشنا تھے' ان کی رائے جس کسی سے متعلق جو کچھ تھی، دل میں بھی وہی تھی اور زبان پر بھی وہی' پیچھے بھی وہی تھی اور سامنے بھی وہی' اس کی وجہ سے بعض معاصرین سے ان کی انتہائی کشیدگی پیدا ہو سکتی تھی' مگر نہیں ہوئی' اس لئے کہ ان کے اختلاف میں بغض وعناد کا زہر شامل نہ تھا' بلکہ وہ محض ایک حسن برہم کی سادگی کا کرشمہ تھا' اس لئے اس میں ایک جاذبیت تھی...... وہ کس لطف سے کسی کے سامنے بعض مرتبہ خود اس کے مقتداء اور مرکز اعتقاد پر ہی تنقید کر جاتے تھے اور پوری قوت سے اس کا اظہار فرماتے تھے' مگر سننے والا نہ ان کی اس تنقید سے مکدر ہوتا تھا، نہ اپنے مقتدا سے بدظن' بلکہ مولانا کی صاف دلی کی اس ادا سے اس کے دل میں محبت کا نیا ذائقہ محسوس ہوتا تھا' انسان جب تک معاشرتی زندگی میں جکڑا ہوا ہو، اتفاق واختلاف سے اسے مفر تو نہیں' مگر اختلاف جب عصبیت اور عناد کی جڑ سے پھوٹتا ہے تو معاشرتی زندگی تلخ ہو جاتی ہے' ورنہ اہلِ اخلاص ومحبت کا اختلاف تو معاشرتی دستر خوان کی ایک خوش ذائقہ چٹنی ہے' جس کو اہل ذوق سمجھ سکتے ہیں۔

مولانا کی وسعتِ علمی سب کو معلوم ہے' مگر کم لوگوں نے یہ دیکھا ہو گا، ان میں حریت فکر بھی موجود تھی' جو کبھی کبھار تیز ہوا کے جھونکے سے یکا یک بھڑک اٹھنے والے شعلہ کی طرح ابھر آئی' مگر پھر پابندئ مسلک و مشرب کے خیال سے اپنی سطح پر بیٹھ جاتی تھی' اگر یہ بات نہ ہوتی تو مولانا کی تحریروں میں حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا سا مجتہدانہ اور مدح وقدح سے بے نیاز اندازِ فکر نظر آ جاتا اور بعض قیمتی علمی اضافے مسائل حاضرہ کے سلسلہ میں سامنے آ جاتے' اس کا ایک موقع اب ان کے اسلامی مشاورتی کونسل میں شمولیت کی وجہ سے پیدا ہو گیا تھا اور مولانا کی جودت کا جوہر کھل کر نگاہِ عام کے سامنے آ جاتا' مگر آہ کہ مشیتِ حق کا فیصلہ خود ان کے حق میں سکوت کا صادر ہو گیا۔

چرندے کی شکل میں ہوتی' کسی مصنوعی حوض، باغ، کھیت، سڑک اور عمارت کی شکل میں ہوتی یا قالین، فرنیچر، برتن، کپڑے اور گھڑی وقلم وغیرہ کی شکل میں ہوتی' کھانے پینے، سونگھنے کی چیز ہوتی یا پہننے، پوشنے اور لکھنے پڑھنے کی چیز ہوتی' کوئی اچھی گفتگو اور تقریر ہوتی یا عمدہ کتابت اور تحریر ہوتی' کوئی نثری عبارت ہوتی یا شعری نظم ہوتی، کوئی علمی بحث وتحقیق ہوتی یا فکری کدوکاوش ہوتی' شاعرانہ تخیل آرائی ہوتی یا عالمانہ نکتہ آفرینی ہوتی' کوئی اچھی عادت وخصلت ہوتی یا عمدہ ذہانت وذکاوت ہوتی' معصوم بچوں کی ادائیں ہوتیں یا بزرگوں کی کریمانہ شفقتیں' غرضیکہ جس شے میں بھی حسن وجمال، تناسب وتوازن، نفاست ولطافت دیکھتے متاثر ہوکر داد وتحسین دیتے اور مسرت کا اظہار کرتے۔

اسی طرح جب کسی چیز میں بے ڈھنگا پن، بدنظمی، بے ترتیبی اور بگاڑ دیکھتے تو اس سے آپ کو ذہنی کوفت ہوتی اور سخت اذیت پہنچتی۔ پھر جب تک اس پر تنقید کرکے بھڑاس نہ نکالتے، چین نہ ہوتا۔ بڑے آغا جی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ: یہ دوسرے حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں ہیں جو لطافتِ طبع، نزاکت مزاج اور ذوق جمال میں ممتاز اور منفرد تھے۔

جب حسن اتفاق سے قریبی اور بے تکلف دوست جمع ہوجاتے اور چائے کا خاص اہتمام ہوتا تو عمدہ ظروف اور بہترین پتی، خالص دودھ اور نفیس بسکٹ وغیرہ سے تواضع کی جاتی' خاص طریقہ سے دسترخوان بچھایا جاتا' اس پر نہایت قرینے سے برتن چنے جاتے، پیالیوں میں شکر اور پھر چائے بڑی خوبصورتی کے ساتھ ڈالی جاتی اور پھر چمچہ ہلانے میں خاص نزاکت کا لحاظ رکھا جاتا' کئی بار ایسا ہوا کہ میں نے بڑی احتیاط کے ساتھ چمچہ ہلانے کی کوشش کی' لیکن اس کے باوجود گرفت اور تحمیق ہوگئی اور سب کے سامنے پیاری سی ڈانٹ پڑی اور ہنسی خوشی کا سامان فراہم ہوگیا۔

ہمارے حضرت بنوری نور اللہ تعالیٰ مرقدہ گو درویش صفت بادشاہ نہ تھے' لیکن بادشاہ صفت درویش ضرور تھے' مانا کہ انہیں تاج وتخت نصیب نہیں ہوا' لیکن ان کے اس دل ودماغ سے کون انکار کرسکتا ہے جو تاج وتخت کے لئے باعث فخر وناز ہوتا ہے اور پھر وہ اقلیمِ علم کے تو ضرور بادشاہ تھے' ان کا علمی جاہ وجلال کسی طرح اس جاہ وجلال سے کم نہ تھا جو سیاسی بادشاہوں کو حاصل ہوتا ہے۔

......☆......☆......☆......